خطبہ جمعہ

اللہ کی کائنات کا سفر اس کی جستجو میں گزاریں تو اس ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو گی اور خدا تعالیٰ کی صفات آپ کے دل پر ایک نُور کی طرح جلوہ گر ہو نگی

آیت الکرسی میں موجود مضامین کا نہایت پُر لطف بیان

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔ فرمودہ ۱۹ر فروری ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۹ر تبلیغ ۱۳۷۸ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّومُ لاَ تَاْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ. لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرْضِ. مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلاَّبِاِذْنِهِ. یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَلاَ یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلاَّبِمَا شَآءَ. وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ وَلاَ یَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَالْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾.

(سورة البقره :٢٥٦)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یعنی اس کے ترجمے میں حضور اقدس کا ترجمہ یہ ہے "یعنی وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اس آیت کے لفظی معنے یہ ہیں کہ زندہ وہی خدا ہے اور قائم بالذات وہی خدا ہے۔ پس جبکہ وہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذات ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو اس کے سوا زندہ نظر آتا ہے وہ اسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اسی کی ذات سے قائم ہے"۔ (چشمۂ معرفت)۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہت ہی عارفانہ ترجمہ اور اس کی تشریح ہے جس کے متعلق میں جو بقیہ مضمون ہے اس میں وقتاً فوقتاً بات کھولتا رہوں گا۔

سب سے پہلے تو میں یہ عمومی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیوں عالم ہے ہر چیز کا۔ کیوں کوئی اور وجود عالم نہیں ہے۔ اس کے کوئی عقلی دلائل بھی تو ہونے چاہئیں اور جب میں بات کھولوں گا تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ تمام عقلی دلائل اسی آیت الکرسی میں موجود تھے لیکن صاف دکھائی نہیں دے رہے تھے یعنی ان لوگوں کو جو سرسری غور کرتے ہیں اور تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ تو ہر مضمون کو سمجھنے کے لئے رفتار میں کمی کرنی پڑتی ہے۔ جتنا تیزی سے آپ گزریں گے اتنا ہی مضمون کم سمجھ آئے گا اور اسی ایک حوالے سے میں آج کا خطبہ شروع کر رہا ہوں۔

انگلستان کے ایک دانشور جو تنقید کرنے والے اور مختلف کتابوں کے مصنف تھے اور ان کا نام اس پہلو سے انگلستان میں مشہور ہے جان رسکن (John Ruslkin) ان کا نام تھا اور ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۰ء میں وفات پائی انہوں نے ایک موقع پر لکھا "All travelling becomes dull in exact proportion to its rapidity" ó ہر سفر اپنی رفتار کی براہ راست نسبت کے ساتھ Dull ہوتا چلا جاتا ہے یعنی جتنی تیز رفتار ہو اتنا ہی سفر Dull ہو جائے گا۔ اب یہ کہنے کو تو ایک عام سا فقرہ ہے لیکن اس کے اندر بہت گہرے مضامین پوشیدہ ہیں تبھی جان رسکن کے اس فقرہ کو انگریزی کتابیں نمایاں طور پر پیش کرتی ہیں اور حقیقت وہی ہے کہ جتنا تیز رفتاری سے سفر کرو گے اتنا ہی کم مضمون سمجھ آئے گی اور جتنا کم مضمون سمجھ آئے گی اتنا Dull ہو جائے گا۔ پس یہ بہت دلچسپ ایک تناسب ہے جو انہوں نے محسوس کیا اور اس کو پیش کیا اور آیت الکرسی کو سمجھنے کے تعلق میں ان کا یہ مقولہ ہمارا مددگار بن سکتا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں تیز رفتاری کے نتیجے میں وہاں وہاں پہنچنے کی کوشش کی جارہی ہے جہاں ایک جگہ بیٹھے بیٹھے نہیں پہنچا جا سکتا۔ اور تیز رفتاری کے ذریعے ان سارے امور پر حاوی ہونے کی کوشش کی جارہی ہے جن پر حاوی ہونے کی انسان بساط نہیں رکھتا لیکن زمانہ تیز رفتاری کا ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ تیز رفتاری کے سبب انسان نے وہ سب کچھ سیکھ لیا یا وہ بہت کچھ سیکھ لیا جس کو سست رَو انسان نہیں سیکھ سکتا تھا۔ کہنے کو یہ بڑی معقول بات ہے لیکن عملاً آپ دیکھیں تو جان رسکن کا یہ مقولہ غور سے اس پر چسپاں کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ایک فرضی بات ہے علم کی وسعت کی ورنہ حقیقت میں یہ علم وسیع نہیں ہے۔

وجہ کیا ہے، کیوں انسان تیز رفتاری اختیار کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی ذات بہت محدود ہے اور وسعت کائنات بہت زیادہ ہے۔ اگر وہ ایک جگہ بیٹھا رہے گا تو اس جگہ کے راز نسبتاً زیادہ معلوم کر سکتا ہے جہاں ٹھہرا ہوا ہو لیکن ساری کائنات ادھوری پڑی رہ جائے گی۔ اس کو علم ہی نہیں ہوگا کہ وہاں باہر کیا ہو رہا ہے۔ ان دو تضادات کا شکار ہے انسان۔ رفتار آہستہ کرے تو بات سمجھ آئے گی لیکن بہت سی باتوں کا علم ہی نہیں ہوگا کہ وہ ہیں کیا اور تیز کرے رفتار تو بہت سی باتوں کا علم ہو سکتا ہے مگر ان کی حقیقت سے ناآشنا رہے گا۔ سائنس کی دنیا میں آپ کو انہی تضادات کے نتیجے میں مختلف قسم کے سائنس دان دکھائی دیتے ہیں۔

بعض ایسے سائنس دان ہیں جو ایک چھوٹی سی چیز کی کنہ کو پہنچنے کے لئے ایک ہی جگہ عمریں گزار دیتے ہیں۔ ایسے نئے سے نئے آلوں کی مدد لیتے ہیں جن سے اس کی تہہ تک اتر کے اندر دیکھیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ جتنے بھی اٹامک راز ہیں وہ تیز رفتاری سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ایک جگہ ٹھہرنے کے نتیجے میں حاصل ہوئے ہیں۔ دنیا میں جتنے بڑے بڑے حسابی سوال حل کئے گئے ہیں پلانگ کی تھیوری کیا تھی۔ وہ کیسے ایجاد ہوئی، اس کی تصدیق میں کیا امور انسان کے علم میں آئے۔ وہ سارے ایسی سائنسوں سے تعلق رکھتے ہیں جہاں ایک انسان اعلیٰ قسم کے آلات لے کر جیسے بہت نئی عظیم الشان خوردبینیں جو ایٹمی خوردبینیں ہیں ان کی مدد سے ایک جگہ بیٹھا رہتا ہے اور ایسے سائنس دان ہیں جن کی عمریں گل گئیں اس میں لیکن رازوں کی تہہ تک اترتے چلے گئے، اترتے چلے گئے، اترتے چلے گئے لیکن ایک اعلان عام ہے جو ان کی ساری زندگی کی ریسرچ کا عنوان بنایا جا سکتا ہے وَلاَ یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ اِلاَّبِمَا شَآءَ. زندگی گزارنے کے بعد اندر سے اندر اترتے چلے گئے لیکن احاطہ نہ کر سکے اور باقی زمانوں کے لئے مضمون ادھورا چھوڑ دیا۔ اب ان کے بعد آنے والی سائنس دانوں کی نئی نسلیں ہونگی جو جہاں انہوں نے کام چھوڑا تھا وہاں سے آگے بڑھائیں گی اور اگر آگے بڑھنے کے لئے تھا کچھ نہیں تو بڑھائیں گی کیا۔ کیونکہ جو کچھ ہے وہ خود تو انہوں نے پیدا نہیں کیا نہ اسے زیادہ

کرسکتے ہیں اسلئے جو کچھ بھی پیدا ہوا اس کی تحقیق میں عمریں چھوڑ نسلیں گنوادیں گے مگر احاطہ نہیں کرسکیں گے۔ یہ مضمون ہے جو آیت الکرسی کی جان ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ناممکن ہے کہ کسی علم کا احاطہ کرسکیں۔ رفتاریں بڑھائیں گے تو علم کی حقیقت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ رفتار آہستہ کریں گے تو ایک جگہ بیٹھے بیٹھے اندر اتنی گہرائی میں اور مضمون نظر آنے شروع ہو جائیں گے کہ وہ کسی مقام پر اس جستجو کو ختم نہیں کرسکتے۔

اب یہ حال آپ کو میں مثال کے طور پر ریشم کے کیڑے کی شکل میں دکھاتا ہوں کہ ریشم کا کیڑا ہے اس پر جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ بھی اتنی گہری کہ حیران کن ہیں۔ لیکن ریشم کا کیڑا ہے کیا، کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے ان کو اس کی تحقیق کی۔ وہ حشرات الارض میں سے ایک کیڑے کی قسم ہے، پروانہ ہے لیکن جب انڈے سے نکلتا ہے تو ایک رینگنے والا جانور جو اپنے اردگرد، اپنے منہ سے نکالا ہوا ریشم کا تانا بانا بُنتا چلا جاتا ہے۔ اب اس بات تک پہنچنے کے لئے کئی سائنس دانوں کی نسلیں گزری ہیں اور بڑی مشکل سے انہوں نے معلوم کیا کہ اندر کیا کرتا ہے۔ وہ لیکن کیسے کرتا ہے اس کا آج تک علم نہیں ہو سکا۔ ریشم کا کیڑا اپنے اردگرد ریشم کا تار بُنتا کیوں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا سوجھی ہے اس کو اور بنتا ہے اس طرح کہ بُنتا چلا جاتا ہے اس کے اندر آپ قید ہو جاتا ہے اور اس قید سے رہائی حاصل کرنے تک جو اس کے اندر نشوونما ہو چکی ہوتی ہے اس میں ایسی تبدیلی ہوتی ہے کہ گویا وہ وجود ہی مختلف ہو گیا ہے۔ اس کو Metamorphosis کہتے ہیں یعنی کامل تبدیلی۔ اس کی نہ وہ شکل رہتی ہے نہ صفات وہ رہتی ہیں نہ عادات وہ رہتی ہیں، سب کچھ بدل جاتا ہے اور اس بے پر کے کیڑے میں پَر اُگنے لگتے ہیں یعنی پروں کا وہ مادہ جس سے پر اُگ سکتے ہیں۔ وہ متحرک ہو جاتا ہے تب وہ اپنا تانا بانا کاٹ کر اس میں سوراخ کر کے اس میں سے نکل جاتا ہے اور انسان کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ ایک پروانہ ہے جو اڑ گیا ہے۔

جو بات میں آپ کی توجہ میں لانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیوں ایسا کرتا ہے، کس نے اس کو سکھایا۔ یہ علم انسان آج تک حاصل نہیں کر سکا، نہ کبھی کر سکتا ہے۔ اس کی سرشت میں یہ بات کیسے داخل ہوئی اور اسے ریشم کا دھاگہ بنانے کا لعاب کیسے عطا ہوا۔ یہ وہ چیز ہے جس کو انسان کبھی بھی نہیں سمجھ سکے گا خواہ ریشم کے کیڑے کے ساتھ بیٹھا بیٹھا زندگی بسر کر دے۔ نسلیں گزر جائیں گی اس کو نہیں سمجھ سکے گا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اس کو انسان نے پیدا نہیں کیا کیونکہ انسان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے وہ بن چکا تھا۔ اس لئے خدا کی ہستی کے ثبوت کے طور پر جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آیت الکرسی کو پیش کرتے ہیں تو محض ایک فرضی دعویٰ نہیں ہے اس کے ایک ایک حصے میں خدا تعالیٰ کی ہستی کے شواہد ہیں جن کو کسی قیمت رد نہیں کیا جاسکتا۔

اتنا پیچ دار مضمون ہے یہ لیکن کس نے اس کی فطرت میں یہ داخل کیا، ودیعت کیا جبکہ انسان نے تو بہرحال نہیں کیا۔ انسان تو پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ انسان تو ارتقاء کی ان منازل سے گزر رہا تھا جبکہ وہ حیوانات میں سے ایک حیوان کہلانے کا مستحق تھا مگر اس کو دوسرے حیوان پیدا کرنے کی صلاحیت کبھی بھی نہیں ہوئی۔ سارے ارتقاء کی کہانی سائنس کی زبانی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ انسان جس حیوان کی منزل سے بھی گزرا ہے آگے اس نے دوسرے حیوان پیدا نہیں کئے، کبھی بھی نہیں کئے۔ جب دوسرے پیدا نہیں کئے تو اپنے آپ کو کیسے پیدا کر لیا، اپنی اگلی منزل کو کیسے پیدا کر لیا۔ لیکن یہ بات تو سردست ایک طرف رکھیں بہت لمبی کہانی ہے۔ مگر ریشم کے کیڑے کے متعلق میں عرض کر رہا تھا وہ تو بہرحال اس نے پیدا نہیں کیا۔ جب نہیں پیدا کیا تو اس کی بقاء کا انتظام بھی اس نے نہیں کیا۔

اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیؔ اور قیّوم دو لفظوں پر روشنی ڈالی ہے۔ زندگی دینے والا یہ نہیں تھا یہ تو قطعیت سے ثابت ہے۔ جب زندگی دینے والا یہ نہیں تھا تو کون تھا وہ زندگی دینے والا، کوئی بھی ہو یہ انسان بہرحال نہیں تھا اور وہ کیڑا خود اپنے آپ کو زندگی دینے والا نہیں تھا جس کا مطلب ہے زندگی دینے والا بیرونی وجود ہے اور زندگی دے کر اس کو قائم رکھنا بھی تو بڑا کام تھا۔ کروڑوں سال تک اس کیڑے کو پالنے کا انتظام کیا گیا ہے اس کی پرورش کا انتظام کیا ہے، اس کی خوراک مہیا کی گئی ہے، وہ ساری چیزیں اس کو عطا کی گئی ہیں جن کے نتیجے میں اس کو اپنی پرورش اور نشوونما کا ضروری سامان مہیا ہوتا رہتا۔ وہ درخت اگائے گئے جن کے پتوں پر یہ پل سکتا ہے۔ اب وہ درخت اگائے گئے تھے۔ اس کی پیدائش سے پہلے۔ پیدائش کے بعد اگر اگائے جاتے تو یہ پیدائش کے وقت پلتا کیسے۔ اس لئے لازم ہے کہ وہ درخت اس کی پیدائش سے بہت پہلے اگائے گئے ہوں۔

وہ ایک الگ ارتقائی سلسلہ تھا جو جاری تھا پہلے سے، جیسے کسی مہمان کی آمد کا انتظار کیا جا رہا ہو اور اس کے لئے تیاری کی گئی ہو۔ یہ کیڑا بھی اللہ کا مہمان تھا۔ اس کی حیؔ اور قیّوم دونوں صفات کا مہمان تھا۔ پس اس کی تیاری بہت پہلے سے شروع کر رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس پہلو سے آپ کیڑے پر اگر غور کریں تو خدا کی ہستی کا انکار ناممکن ہو جاتا ہے۔ کوئی انسان ادنیٰ سی بھی عقل رکھتا ہو اور عقل کی آنکھیں کھول کر دیکھے تو وہ خدا کی ہستی کا انکار نہیں کر سکتا۔ صرف اس کیڑے پر منحصر نہیں، ایسے حشرات الارض لاانتہاء ہیں جن کی زندگی کے دائروں پر ابھی انسان کی نظر نہیں۔ اور جن کے زندگی کے دائرے پر انسان کی نظر ہے اس پہ حیرت انگیز معلومات ظاہر ہوتی ہیں جن کا احاطہ انسان نہیں کر سکتا پھر۔

یہ مثال تو میں نے ایک کیڑے کی دی ہے مگر درحقیقت سمندر میں جا کے دیکھیں تو سمندر میں ڈوبے ہوئے اتنی قسم کے کیڑے ہیں کہ ایک پوری کائنات اس کے اندر غرق ہوئی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور وہ سارے اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے دائرے میں اپنا رزق بھی پا رہے ہیں۔ یعنی قیّوم ان کے ساتھ موجود ہے جس نے ان کو پیدا کیا اس نے ان کی زندگی اور پرورش کا انتظام بھی کیا۔ خدا کی قیومیت ساتھ ساتھ نہ چلے تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ پس اتنے بڑے سمندر میں اور اس کی تہہ میں اربوں کا لفظ تو بالکل معمولی سا لفظ ہے، اربوں کھربوں کو آپس میں ضرب دیں تو حد شمار سے بات آگے نکل جائے گی۔ ناممکن ہوگا۔ انسان کے لئے ان کو کسی شمار میں لاسکے۔ اور ہر ایک کی بقاء کا انتظام ہے اس کو کہتے ہیں الحیؔ القیّوم۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختصر اشاروں میں جو مضامین بیان فرما دئے ہیں ان کو کھولنے کے لئے بھی تو ایک علم کا جہان چاہئے۔ پس میں نے رسکن کا جو حوالہ دیا اس حوالے سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے یعنی اس کے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ تیز رفتاری بہت اچھی چیز ہے مگر dull کر دیتی ہے سفر کو۔ کوئی چیز dull اس وقت ہوتی ہے یا ایک ذہن dull اس وقت ہوتا ہے جب مضمون کے سمجھنے سے عاری ہو۔ چنانچہ بچے جو تیز رفتاری سے کتاب پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں پڑھتے پڑھتے سو جاتے ہیں بڑوں کا بھی یہی حال ہے جہاں کتاب کی سمجھ نہیں آئے گی وہاں سو جائیں گے اس کو کہتے ہیں dull ہونا۔

تو رسکن کی مراد یہ تھی کہ تیز رفتاری کر کے انسان علم کی کنہ کو نہیں پاسکتا اور جب نہیں پاسکتا تو dull ہو جائے گا اور dull ہو کر اس کی توجہ بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اب ہمیں dull ہونے کا ایک مضمون روزمرہ کے تیز رفتار سفروں سے بھی مل سکتا ہے کہ جیٹ کے سفر کے ذریعے اور آج کل کی تیز رفتار سواریوں وغیرہ کے ذریعے آپ تیزی سے دنیا کے گرد چکر کھا سکتے ہیں۔ لیکن اتنا تھک جاتے ہیں اس میں، اس کو بوریت کہتے ہیں۔ اس سارے سفر کے دوران جو چند گھنٹے کا ہو جہاز والے ایسا ایسا سامان آپ کا دل لگانے کا کرتے ہیں ٹیلی ویژن کھلی رہتی ہیں ان پر معلومات ادلتی بدلتی رہتی ہیں کبھی اچھے سے اچھے کھانے سامنے آ رہے ہیں لیکن انسان کی تھکاوٹ دور نہیں ہوتی۔ یہ تیز رفتاری کا نتیجہ ہے۔

کیوں بور ہو رہا ہے انسان؟ تیز رفتاری خود بوریت کا منبع ہے اور اس بوریت کو دور کرنے کی ہر کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب تھک کر یہ مسافر اترتے ہیں تیز رفتار، جتنا تیز رفتار جہاز ہو اتنے زیادہ تھکے ہوئے ہوتے ہیں حالانکہ بیٹھے ہوئے ہیں ایک جگہ پر۔ اس سے کئی گنا لمبا سفر آپ موٹر میں بیٹھ کر کریں تو آپ نہیں تھکیں گے لیکن خود ڈرائیو (Drive) کریں تب بھی نہیں تھکیں گے مگر یہ سات آٹھ گھنٹے کا سفر مار دیتا ہے انسان کو یہاں تک کہ کمپنیاں ایسے افسر کو حکماً منع کر دیتی ہیں کہ زیادہ گہری سوچ کا کام تم نے نہیں کرنا، کچھ دن آرام کرو جب پوری طرح آرام ہو جائے گا تو پھر گہری سوچ کے کام کیا کرنا ورنہ غلطی کر جاؤ گے۔

تو یہ بات ہے کہ تیز رفتاری ایک کرّہ کو طے کرنے میں زیادہ کرّے کو طے کرنے میں مدد دیتی ہے مگر ساتھ ہی بوریت پیدا کرتی ہے کیونکہ اس کرّے کے متعلق کچھ علم آپ کو نہیں ہو رہا کہ وہ ہے کیا۔ اس کی بجائے پیدل چل کر دیکھیں آپ حیران ہونگے اس سفر میں اور اس سفر میں کتنا فرق ہے۔ جب پیدل اتر کے آپ خوش منظر پہاڑوں کا سفر کریں تو چلتے چلتے جسم تھک تو جائے گا مگر دماغ اکتائے گا نہیں۔ اور اگر زیادہ لطف اٹھانا ہے تو بعض لوگوں کا یہ طریقہ ہے، بعض سیاحوں کا کہ کسی ایک منظر پر جا کے بیٹھ رہتے ہیں سارا دن بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر وقت ہو تو اس سے زیادہ طبعی مناظر سے انسان لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ جب بیٹھ کے دیکھتے ہیں تو آپ تو بیٹھے رہتے ہیں مگر منظر گزرتا ہے۔ ایک ندی کے کنارے جب آپ بیٹھے ہوں تو وہاں پہلے جو چیزیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں وہ دکھائی دینے لگتی ہیں۔ وہ زمین جس پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں، وہ ریت جس پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں، وہ پتھر جس پر آپ بیٹھے ہیں ان کے اندر سے چیزیں ایسی دکھائی دینے لگتی ہیں جو پہلے خیال بھی نہیں گزرا ہوگا۔

ریت اٹھنے لگتی ہے اس میں سے کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں۔ پتھر کے رنگ، اس کی کائی اور اس کائی میں سے کچھ کیڑے نکلتے ہیں کچھ اس پہ آ کے بیٹھتے ہیں تو آپ تو بیٹھ جاتے ہیں مگر دنیا چلنے لگتی ہے اور چلتے ہوئے آپ کے سامنے نئے سے نئے مناظر پیش کرتی چلی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات اس پہلو سے ایک بیٹھے ہوئے نظارہ کرنے والے کے مشابہ ہے کہ خدا کے سامنے ساری کائنات پھرتی ہے لیکن وہ نہیں ہلتی وہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ تو قائم بالذات کا ایک یہ بھی معنی ہے لیکن جو کائنات اس کے اردگرد پھرتی ہے وہ کتنی ہے۔

آخر کتنی کائنات ہے جو اس کے گرد چکر کھا سکتی ہے اس کا ذکر آیت الکرسی میں موجود ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تفسیر میں یہاں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس آیت الکرسی کی جو گزشتہ مفسرین کی تفسیروں سے بالکل مختلف ہے اور بہت عظیم الشان اور بہت گہری ہے اور جو سوال میں نے اٹھایا ہے اس کا جواب اس میں موجود ہے۔ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ وَلاَ یَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَالعَلِیُّ الْعَظِیْم۔ کرسی تخت کو بھی کہتے ہیں اور علم کو بھی کہتے ہیں عربی میں کرسی علم کا نام بھی ہے اور تخت کو بھی کہتے ہیں۔ پس عام ترجمہ کرنے والے مفسرین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا عرش مراد ہے اس عرش پر خدا بیٹھا ہوا ہے۔ اگر عرش پر بیٹھا ہوا ہے تو اس عرش کو اٹھایا کس نے ہوا ہے۔ وَلاَ یَئُودُهٗ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ استنباط فرمایا کہ عرش اسی نے اٹھایا ہوا ہے ورنہ تھکے کیوں۔ تھکنے کا کیا مضمون ہے یہاں پہ۔ کرسی اس نے اٹھائی ہوئی ہے، اس پر بیٹھا ہوا نہیں ہے اور کرسی کو اٹھانا جس پر ساری کائنات بیٹھی ہوئی ہو اس کو دوبھر نہیں ہے اس کے لئے کسی تھکاوٹ کا موجب نہیں بنتا۔

تو کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضَ تمام زمین و آسمان، ساری کائنات اس خدا کی اٹھائی ہوئی کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور دن رات اس کی حفاظت کر رہا ہے، ان کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے لیکن تھکتا نہیں۔ یہ صفت ہے اللہ تعالیٰ کی جو آیت الکرسی میں مذکور ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پورے الفاظ یہ ہیں، "یعنی خدا کی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں"۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۱۱۰ حاشیہ) **کرسی پر** کی بجائے **کرسی کے اندر** فرمایا ہے۔ اصل میں کرسی کا معنی چونکہ علم بھی ہے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو کرسی کی جسمانی کیفیت سے دماغ کو توڑ کر اس کی علمی کیفیت کی طرف انسان کو متوجہ کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کرسی ہے جس کے اندر ساری کائنات سمائی ہوئی ہے۔ اگر وہ ہر جگہ موجود نہ ہو تو ساری کائنات اس کے علم کی کرسی میں سما کیسے سکتی ہے۔ گویا اس کے علم نے ساری کائنات کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ اس کے علم سے ہی کائنات پرورش پاتی ہے اور تمام تر کائنات اس کے علم کے دائرے میں محدود ہے۔ ایک ذرہ بھی اس سے باہر نہیں۔

یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ جب ہر جگہ موجود ہے تو اس کے سفر کی ضرورت نہیں۔ اسکے گرد اس کی پیدا کی ہوئی کائنات گھوم رہی ہے اور سفر کر کے خدا کے سامنے وہ مناظر پیش کرتی ہے جو اس نے پیدا کئے اور ان کے نتیجے میں وہ اپنی مخلوقات کو پلتا ہوا، زندگی پاتا ہوا، نشوونما پاتا ہوا، بڑھتا ہوا ارتقائی حالات میں دیکھتا ہے۔ اب یہی ایک مشغلہ اتنا عظیم مشغلہ ہے کہ یہ مشغلہ کسی کو تھکا سکتا ہی نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ اگر ہم نے کوئی دل پسندی کا مشغلہ ڈھونڈنا ہوتا، دل لگانے کا تو اپنی ذات ہی سے ڈھونڈتے ہمیں کسی اور کی محتاجی نہیں ہے۔ اور آیت الکرسی اسی مضمون کو پیش کر رہی ہے کہ خدا کی ذات کے اندر اتنا دلچسپ مشغلہ ہے کہ کسی کو نصیب ہو جائے تو اس کو ضرورت ہی کوئی نہیں ہے کہ اور مشغلوں کی تلاش کرتا پھرے۔

اپنی ہی ذات میں اس کے دل بہلاوے کا اگر ہم اردو محاورہ استعمال کریں یا کوئی دنیاوی محاورہ استعمال کریں تو کہتے ہیں دل بہلاوہ۔ تو اللہ کا ویسے تو الگ دل کوئی نہیں مگر دل بہلاوہ جس کو کہتے ہیں گویا اپنی انسانی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کے بہلانے کا بھی تو کوئی انتظام ہونا چاہئے ورنہ ازلیت اور ابدیت بور کرنے کے لئے بہت کافی ہونی چاہئے۔ ایک شخص جس کا وجود ختم ہی نہ ہو وہ کس مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کے دل بہلاوے کا مسلسل انتظام ہو تو اس کے بور ہونے کا سوال نہیں بلکہ جتنا لمبا چلے گا اتنا ہی زیادہ اس کو زندگی کا لطف آئے گا۔ تو اگرچہ لطف آنے کا محاورہ ہم خدا کے متعلق انسانی محاوروں کی صورت میں استعمال نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہی ہے کہ اللہ کا بھی ایک لطف ہے اور اس لطف میں ڈوبا ہوا ازل سے ابد تک جاری ہے اور ساری کائنات پر اس کی نگاہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز کو اس نے اٹھایا ہوا ہے۔ یعنی اس کو اگر وہ چھوڑ دے تو ختم ہو جائے اور اس کرسی کو اٹھانے میں اس کو کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لاَ یَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا زمین و آسمان دونوں کی کائنات کو اٹھائے ہوئے ہے۔

اب جہاں تک آسمان کی کائنات کا تعلق ہے اس کے متعلق سائنس دان ہمیں اب بہت سی خبریں دے رہے ہیں اگر ان کو اس کا اربواں حصہ بھی پتہ نہیں۔ کچھ بھی نہیں پتہ صرف تیز رفتار آلات کے ذریعے، شعاعوں کے ذریعے کچھ نہ کچھ معلوم کر رہے ہیں مگر هُمَا کہہ کر زمین بھی اس میں داخل فرمادی۔ یہ اہل فکر کو دعوت دی ہے کہ تم دیکھو تو سہی کہ زمین میں کتنی چیزیں ہیں جن کا بوجھ تم نے نہیں اٹھایا ہوا صرف اللہ نے اٹھایا ہوا ہے اور تھکتا ہی نہیں جاری و ساری کام ہے۔ زندگی بخشنا، نئی سے نئی زندگی پیدا کرنا اور پھر ہر چیز کا سہارا بننا اس کے لئے ہمیشہ باقی رہنے کا انتظام کرنا یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ انسان کی نسلیں قیامت تک چلتی چلی جائیں وہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتیں۔ پس لاَ یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ کا عنوان بار بار انسان کے سامنے ابھرتا ہے اور یہ آیت ہے جو انسانی فکر کا پیچھا نہیں چھوڑتی، متنبہ کرتی رہتی ہے ہر موڑ پر تلاش کرو، دیکھو، غور کرو وَلاَ یُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّ بِمَا شَآءَ مگر اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکیں گے مگر اتنا ہی جتنا وہ چاہے اور جب وہ چاہے۔

اس سلسلے میں ایک اور دانشور کا حوالہ میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو ایک اور بہت بڑے انگلستان کے عظیم سائنس دان کے متعلق ہے۔ انگریزی Poetry میں ایک نام بہت مشہور ہے اور بہت عظمت حاصل کی ہے اس نے۔ اس کی چھاپ اتنی مختلف ہے باقی شعراء سے کہ پوپ الیگزانڈر (Pope, Alexander) یا الیگزانڈر پوپ کا نام اپنی ذات میں ایک الگ چھاپ کا علم بردار ہے۔ پوپ کے اوپر بہت سے انگریز محققین نے اپنی عمریں گلائی ہیں اس پر ہی انہوں نے بڑے بڑے مقالے لکھے اور پی ایچ ڈی حاصل کی۔ ہمارے ایک پروفیسر ہوا کرتے تھے انگلستان میں یہاں Birkbeck College میں وہ بھی پوپ کے سپیشلسٹ ہوتے تھے۔ تو پوپ شاعر نے ایک ایسی بات کہی ہے ایک سائنس دان کے متعلق جس کے متعلق میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جب سے دنیا بنی کسی سائنس دان کو اتنا عظیم خراج تحسین پیش نہیں کیا گیا۔ آپ سمجھیں گے مبالغہ ہے۔ میں آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں بات اور مجھے بتائیں اس میں کون سا مبالغہ ہے۔

پوپ یعنی یہ الیگزانڈر پوپ ۱۶۸۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۴۴ء میں صرف چھپن سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ لیکن نیوٹن اس سے بہت پہلے پیدا ہوا تھا اور اس کی زندگی ہی میں فوت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر انتالیس سال کی تھی تو اس کو غالباً توجہ دلائی گئی اسوقت یہاں سب سے بڑا عظیم شاعر یہی تھا کہ نیوٹن کے اوپر اس کی شان کے مطابق کوئی ایسا شعر کہو کہ اس کے کتبے پر لکھا جا سکے اور اس چیلنج کو اس نے کس شان سے پورا کیا عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس نے لکھا اور غالباً یہی اس کے کتبہ پر تحریر اب بھی درج ہو گی۔ مجھے علم نہیں میں نے نیوٹن کا کتبہ دیکھا نہیں۔ لکھا اس نے اس کتبے کی خاطر تھا۔ وہ کیا ہے :

Nature and Nature's Laws lay hid in night :

God said,"Let Newton be!" and all was light.

قانون قدرت اور قانون قدرت کے راز رات کے اندھیرے میں لپٹے ہوئے تھے یعنی لاعلمی کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔ اب جیسا کہ بائبل میں آتا ہے کہ خدا نے کہا روشنی ہو جا اسی حوالے سے اس کا دماغ اس طرف گیا ہے اور اس نے یہ عظیم بات کہہ دی کہ خدا نے یہ نہیں کہا کہ روشنی ہو جا خدا نے فرمایا "Let Newton be" نیوٹن ہو جا اور روشنی پھیل گئی۔ اتنا عظیم مقولہ ہے کہ آج تک کسی سائنس دان کو دنیا کے پردے پر ایسا خراج تحسین پیش نہیں کیا گیا ہو گا۔ اور واقعۃً یہ سچا ہے کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے عظیم الشان سائنس دان روشنی سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یعنی خدا سے دور چلے جاتے ہیں نیوٹن وہ سائنس دان ہے جس نے اندھیروں سے خود بھی روشنی کی طرف سفر کیا اور روشنی کو پالیا اس لئے اگر دنیا کے تمام سائنس دانوں میں کسی کو حقیقت میں ولی اللہ کہا جا سکتا ہے تو وہ نیوٹن تھا۔ اس لئے نیوٹن کے اپنے اقرار سے پہلے جو میں ابھی آپ کے سامنے رکھوں گا۔ میں نیوٹن کے متعلق یہ بات آپ کو سمجھا دوں کہ عیسائیت کی گود میں اس نے پرورش پائی، بچپن سے تثلیث کا مذہب اس کو پڑھایا گیا مگر جوں جوں اس نے خدا کے نور سے روشنی حاصل کی تثلیث سے بیزار ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ اس کی توجہ بائبل کی طرف بھی منتقل ہوئی جبکہ جانتا تھا کہ لازماً اصل میں یہ خدا کا کلام ہے تو بائبل کی تشریحات جو عیسائی دنیا تثلیث کے حق میں پیش کیا کرتی تھی اس نے انہی حوالوں کو تثلیث کے خلاف استعمال کیا۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ہمیں علم کلام عطا کیا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فیض گزشتہ میں سفر کر کے، ماضی میں سفر کر کے نیوٹن تک بھی پہنچا اور وہی استنباط ہے حیرت انگیز طریق پر یہاں تک کہ عیسائیت کی پیش کردہ تثلیث سے کلیۃً بیزار ہو گیا۔ اور اس کے نتیجے میں اعلان کیا کہ میں اب اس سوچ کے سفر کے بعد خدا کی ہستی کا اس سے بہت زیادہ قائل ہو چکا ہوں جتنا پہلے تھا اور حضرت عیسیٰ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی ہے کیونکہ وہ مؤحد تھا اور ایک خدا کا پجاری تھا اس نے کبھی نہیں کہا کہ میری عبادت کرو۔ اب آج انگریز بجاطور پر نیوٹن پر فخر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں بجاطور پر نہیں کرتے کیونکہ وہ نیوٹن جس پر فخر ہونا چاہئے تھا اس نیوٹن کو تو انہوں نے اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔

اب ضمناً میں نیوٹن کا تعارف کراؤں پھر اس نے جو بات کہی ہے میں اس کی طرف آؤں گا۔ نیوٹن کو کیمبرج یونیورسٹی میں اس کے علم و فضل کے نتیجے میں پروفیسر شپ کی کرسی دی گئی اور اس کے ساتھ اس زمانے میں جتنا بھی وظیفہ پاؤنڈوں کی صورت میں مقرر تھا وہ اتنا تھا کہ بڑی آسانی کے ساتھ جس کی ضرورتیں کم ہوں اس کے لئے تو اور بھی زیادہ آسانی تھی۔ یہ اپنی زندگی کے مصارف اسی میں سے نکالتا۔ کسی اور کام کی ضرورت نہیں، دن

رات یہ لیبارٹری میں خرچ کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ مجھے کبھی بھی ایسا دن نہیں چڑھا کہ میں اٹھ کر لیبارٹری میں گیا ہوں اور میرے بچوں کی مجھ سے پہلے آنکھ کھل گئی ہو۔ اور کبھی بھی لیبارٹری سے باہر نہیں نکلا جبکہ میں نے لیبارٹری میں بارہ کے بجنے کی آواز نہ سنی ہو۔ جب گھنٹہ گھر بارہ بجاتا تھا تو میں سمجھتا تھا کہ اب کافی ہو گئی ہے مجھے واپس چلے جانا چاہئے۔ اور اس کیفیت میں اس نے علم کا تتبع کیا تھا۔

اس بے چارے کو کیمبرج یونیورسٹی نے اس الزام کے نیچے نکال باہر مارا کہ Trinity College جو ہے کیمبرج کا اسکے تم پروفیسر بنے ہوئے ہو اور Trinity کے خلاف پرچار کر رہے ہو، تم تو جاہل ہو بالکل، تمہیں کوئی علم نہیں کہ ٹرینٹی کے بغیر تو کائنات ہی نہیں ہے تم کس کائنات کی باتیں ہمیں بتا رہے ہو جس میں Trinity نہیں ہے۔ نیوٹن نے کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اس نے کہا کہ میں نے جو نور حاصل کرنا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کر لیا ہے اور تمہاری Trinity کے نور کی مجھے کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اندھیرا ہے، یہ جہالت ہے۔ پس یہ فقرہ پوپ کا اب آپ دوبارہ سنیں۔ خدا نے کہا کہ "Let Newton be and All was Light" نیوٹن کے ساتھ نور وابستہ ہو گیا اور اس روشنی کو حاصل کرنے کے لئے اس نے بیحد قربانیاں کیں۔ پروفیسر شپ کو اتار کر پھینکا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا پھر غالباً ٹیوشن لے کر یا کس طرح پلا ہے لیکن اس وقت ساٹھ پاؤنڈ تھا غالباً اس کا وظیفہ وہ اس نے ایک طرف پھینک دیا کہ اپنا وظیفہ اپنے پاس رکھو میں خدا کو نہیں چھوڑ سکتا میں Trinity College کو چھوڑ سکتا ہوں اور اپنے علم کی تحقیق پھر بھی جاری رکھی۔

یہ آئزک نیوٹن (Isaac Newton) ہے جس کے متعلق میں نے عرض کیا ہے کہ جب سے دنیا میں علمی انقلابات آئے ہیں ایسا علمی انقلاب کسی سائنس دان کے ذریعے نہیں آیا جس سے دنیاوی علوم کی روشنی بھی پھیل گئی ہو اور روحانی علوم کی روشنی بھی پھیل گئی ہو۔ ایک نیوٹن تھا اور نیوٹن کا اپنا اقرار سن لیجئے میں کیا ہوں۔ نیوٹن اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا اس کے الفاظ میں :

I do not know what I may appear to the world but to myself I seem to have been only a boy playing on the sea-shore".

میں اپنی نظر میں تو اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے بچے کے طور پر دیکھتا ہوں جو علم کے سمندر کے ساحل پر کھیل رہا ہو۔

کیونکہ اس نے علم کا ایک نیا دور شروع کر دیا ہے چونکہ اس پر خدا بھی روشن ہو چکا تھا اس لئے اس کی اپنی علمی حیثیت اس کی نظر میں سکڑ گئی۔ اور وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اس کو علم نہیں تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مگر یہی اعلان اس نے کیا ہے اور ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ. اس کے علم کا کوئی چیز احاطہ نہیں کر سکتی مگر جتنا وہ چاہے اور جسے وہ چاہے اس کو اتنا ہی احاطہ نصیب ہوگا۔ چنانچہ کہتا ہے میں ایک چھوٹے بچے کی طرح سمندر کے ساحل پر یعنی علم کے سمندر کے ساحل پر اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں جو اپنی توجہ بٹانے کی خاطر، اپنے دل بہلاوے کے لئے کبھی ایک چھوٹا سا ملائم پتھر ڈھونڈ لیتا ہے اس کو اپنے کلہ پہ لگاتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ دیکھو ملائم پتھر ہے اور کبھی کوئی گھونگا تلاش کر لیتا ہے جو سمندر کی تہہ میں بنا ہے کیسے بنا، کیوں بنا، کیوں گھونگے کے جانور نے اس کو چھوڑ دیا اس کی تفصیل پر اس کی کوئی نظر نہیں ہوتی لیکن اپنے لئے وہ "or a prettier shell than ordinary" عام شیل سے زیادہ کوئی خوبصورت سا شیل اس کو نظر آئے تو اسے چن لیتا ہے۔

اب یہ تجربہ تو آپ سب کا ہی ہوگا جنہوں نے بھی ساحل سمندر پہ پکنک منائی ہے خواہ وہ کراچی کے ہوں یا انگلستان کے ہوں اکثر لوگ تو ایسے ہیں یہاں جنہوں نے ضرور ساحل سمندر دیکھا ہوگا اور پکنک بھی منائی ہوگی وہ جانتے ہیں کہ کس طرح وہ دوڑے پھرتے ہیں گھونگوں کی تلاش میں، خوبصورت پتھروں کی تلاش میں، چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں سارے اس جدوجہد میں شامل ہو جاتے ہیں- تو نیوٹن کہتا ہے کہ میں بھی اپنے آپ کو اس بچے کے طور پر دیکھتا ہوں Whilst the great ocean of truth lay all undiscovered before Me. (Brewster's Memoirs of Newton II.XXVII) میں ایسے بچے کے طور پر دیکھتا ہوں جو اس قسم کے گھونگوں وغیرہ کے چننے میں مصروف ہو جبکہ عظیم الشان سچائی کا سمندر اس کے سامنے دُور تک پھیلا پڑا ہو اور گہرائی میں اس کا کوئی اتھاہ نظر نہ آئے اگر وہ اپنے آپ کو عالم اور سائنسدان کہہ سکتا ہے تو کہتا ہے پھر نیوٹن سے بھی توقع رکھ لو کہ وہ اپنے آپ کو کیا دیکھ رہا ہے-

کتنی گہری، کتنی حقیقی بات کی ہے اور وہی سمندر ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں- اس کے اندر اتنے بے شمار خدا تعالیٰ کی صناعی کے گواہ موجود ہیں کہ واقعۃً ایک ناپید اکنار سمندر ہے جو کبھی ساری زندگی کی جستجو پر ختم نہیں ہو سکے گا- اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ اس کے علم کی کرسی آسمانوں میں محیط ہے- مگر تم یہ نہ خیال کرو کہ ہم تمہیں اونچا اڑنے کی دعوت دے رہے ہیں- تم میں طاقت کہاں ہے کہ آسمانوں کے راز معلوم کر سکو- زمین کے اوپر غور کر کے دیکھو اور سطح زمین پر جو کائنات پھیلی پڑی ہے اس پر بھی ذرا غور کر کے دیکھو اور سمندر میں جو ڈوبی ہوئی کائنات ہے اس پر بھی غور کر کے دیکھو-

پس ریشم کے جس کیڑے کی مثال میں نے آپ کو دی تھی وہ سمندر کے اندر نہیں بلکہ زمین کے باہر ہے اور اس تلاش میں سائنسدان نئے سے نئے علم کی شاخیں نکال رہے ہیں کہ زمین کے اوپر، جنگلوں میں اور زمین کی سطح پر دھنسے ہوئے کیڑوں کی صورت میں کیا کچھ ہے جس پر ہمیں تحقیق کرنی ہے- اور جو بھی تحقیق کرتے ہیں اس کے نتیجے میں مزید سے مزید اور باتیں معلوم ہوتی چلی جاتی ہیں اور سفر ختم ہونے کی بجائے اور پھیل جاتا ہے- پس خدا تعالیٰ کی ابدیت کا یہ بھی ثبوت ہے اس کی ازلیت کا یہ بھی ثبوت ہے کہ وہ ازلی ابدی ہے اس کی تخلیق میں بھی ایک ازلیت اور ابدیت کا رنگ پایا جاتا ہے-

جتنا بھی آپ زمین کی سطح پر بسنے والے کیڑے مکوڑوں میں ہی نہیں بلکہ اور مخلوقات پر غور کریں تو ان کی کنہ تک آپ پہنچ نہیں سکتے- آج کل جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان میں شیروں پر بھی تحقیق ہو رہی ہے اور بکثرت وہ باتیں معلوم ہو رہی ہیں جن کا پہلے کوئی علم نہیں تھا مگر شیر کی سرشت میں وہ چیزیں کیوں آئی ہیں، کیسے داخل ہوئیں اور کس نے وہ باتیں سکھائیں اس کو، اس کے متعلق یہ کچھ نہیں جان سکتے- بعض سائنس دانوں نے تو یہ بات قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ تم جانوروں کے دماغ میں جو کچھ گزر رہا ہے اس کو معلوم کرنے کی طاقت رکھتے ہو- کہتے ہیں ہم اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ جو دماغ کے اندر گزر رہا ہے اس دماغ میں داخل ہونے کی تمہیں استطاعت نہیں ہے اور اس کی سوچ میں شامل ہونے کی استطاعت نہیں ہے- تمہیں یہ بھی نہیں پتہ کہ شیر کس آنکھ سے دنیا کے جانوروں کو دیکھ رہا ہے- وہ کیوں بعض چیزوں سے رُک جاتا ہے جبکہ وحشی جانور سے توقع ہونی چاہئے کہ وہ نہ رکے اور کیوں بعض چیزوں پر وہ حملہ آور ہوتا ہے اس کی بھی وجوہات کیا کچھ ہیں-

چنانچہ یہ تحقیق جاری و ساری ہے اور جہاں تک میں اپنے شوق کے مطابق ان معلومات کو رسالوں میں اور کتابوں میں پڑھتا جاتا ہوں میں حیران ہوتا جاتا ہوں کہ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ. خدا تعالیٰ نے جتنی توفیق بخشی ہے اتنا ہی احاطہ اور جب توفیق بخشتا ہے اس کا احاطہ عطا کرتا ہے مگر اپنے علم کا احاطہ دیتا ہے یہ خود کچھ نہیں پیدا کر سکتے- اب یہ دوسرا پہلو ہے- بعض لوگ رسالوں میں یہ نئے نئے علوم کی دریافت کی باتیں پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ تو بندہ بھی خدا بن گیا ہے- لیکن یہ سارے علوم جن کی وہ دریافت کر رہے ہیں خدا نے پیدا کئے ہوئے ہیں- انسان کی پیدائش سے بہت پہلے سے پیدا شدہ ہیں-

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا علوم میں سفر ہے اپنے علم کی کرسی کے اندر اٹھائے ہوئے ہے خدا تعالیٰ تو یہ بات اور بھی زیادہ وضاحت اور گہرائی سے اس تحقیق پر نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ جتنی تحقیق کرتے ہیں یہ اللہ کے علم کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں اس نے جو زندگی عطا کی ہے اس کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں خود تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے- کچھ پیدا کرنے سے کلیۃً عاجز ہیں- پس آپ جو دیکھتے ہیں کہ جیٹ دنیا میں پھر رہے ہیں اور بڑی بڑی توپیں ایجاد ہو رہی ہیں، بڑے بڑے مہلک آلے ایجاد ہو رہے ہیں یہ سارے کے سارے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے جس کو کہتے ہیں Potentialy تیار رکھے ہوئے تھے- یعنی ان کا وہ مادہ، میٹیریل جس سے یہ چیزیں بنتی ہیں وہ خدا نے بنائی ہوئی تھیں یہ کچھ بھی خود نہیں بنا سکتے-

اور اس کی سمجھ ان کو کس نے دی جس دماغ سے انہوں نے سمجھا ہے وہ دماغ خود انہوں نے بنایا نہیں تو اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ بالواسطہ جتنی بھی یہ جستجو کریں وہ سارے اللہ کے علم کے اندر ہے اور اس کا بھی کوئی احاطہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کسی ایک حصے کے احاطے کی خود توفیق نہ بخشے- اتنا سا یعنی ایک طرف سے اس کو جیسے کمان ہوتی ہے علم کو ایک طرف سے گھیرتے ہیں اور سارا علم کمان سے دوسری طرف کھلا پڑا ہوا ہے- اور جیسے کمان سے تیر چلایا جاتا ہے اس طرح اس علم کی کمان سے یہ اس جانب تیر چلاتے ہیں جس تک خود پہنچے ہی نہیں ابھی اور وہ تیر کبھی نشانہ پر لگتا ہے، کبھی نشانے پر نہیں لگتا- اکثر نہیں لگتا- لیکن جب نشانہ پر لگتا ہے تو کمان کے اس رُخ کی طرف سفر شروع کرتے ہیں وہاں پہنچ کر معلوم کرتے ہیں کہ اوہو ابھی تو بہت زیادہ آگے سفر باقی ہے سارا وہ جنگل باقی ہے جس کا سفر ابھی طے نہیں ہوا-

تو یہ آیت الکرسی کا ایک مضمون ہے جو میں آج آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے اور بعض دانشوروں کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں- لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ مضمون اپنی ذات میں ناپید اکنار ہے- میں خود اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مضمون کی تلاش میں علم کے سمندر کے کنارے ایک چھوٹے بچے کی طرح چند سیپیاں چُن رہا ہوں اس سے زیادہ کوئی بھی حیثیت نہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جن کو میں ملائم سمجھ رہا ہوں وہ ملائم ہیں بھی کہ نہیں اس کا بھی میں احاطہ نہیں کر سکتا-

پس اللہ کی کائنات کا سفر اس کی جستجو میں گزاریں تو اس ذریعے سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور خدا تعالیٰ کی صفات آپ کے دل پر ایک نور کی طرح جلوہ گر ہوں گی- خدا کرے کہ یہ نور ہم پر بھی چمکے اور ہماری وساطت سے سب دنیا پر چمکے-